Rizwan Ullah
D-178, Abul Fazl Enclave
Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Tel: 9971283786
Email:ruilmi@rediffmail.com

اردو زبان کا مذہب سے سروکار

رضوان اللہ

ہمارے برصغیر میں اردو زبان کو مسلمانوں سے یعنی تابعینِ اسلام سے جوڑ رکھا گیا ہے لیکن جب زبان اور مذہب اسلام کے تعلق پر غور کیجیے تو صورتِ حال اندر باہر تمام مختلف نظر آتی ہے۔ دنیا بھر میں جہاں جہاں مسلمانوں کی آبادی نوے فیصد سے اوپر صد فیصد تک ہے، وہاں کی زبان اردو نہیں ہے۔ ساری عرب دنیا اور ایران افغانستان ترکی وغیرہ کو دیکھئے، ہمارے مشرق میں ملیشیا، انڈونیشیا وغیرہ کو دیکھئے اس سے دو باتیں صاف نظر آتی ہیں اول یہ کہ اسلام کے فروغ کا تعلق اردو زبان سے نہیں ہے بلکہ مقامی زبانوں سے ہے خواہ وہ زبانیں عربی ہوں یا عجمی دوسرے یہ کہ اگر ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ مقامی زبانوں میں ہوئی ہوتی تو شاید ملک میں مسلمانوں کی آبادی انڈونیشیا اور ملیشیا کی طرح ہوتی جہاں زبانوں پر سنسکرت کا خاصا اثر ہے۔

چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ بیرونی حملہ آوروں نے جو بعد میں قابض اور حکمراں بن گئے اور ان کی حکمرانی صدیوں تک جاری رہی، ان کے اس طویل عرصہ حکمرانی میں مقامی اور غیر مقامی لوگوں کے میل جول، بول چال سے وجود میں آنے والی زبان کو نہ تو بالقصد نو واردوں کے مذہب کی تبلیغ کے لیے استعمال کیا گیا نہ خود اس زبان کی تبلیغ کی حکمرانوں نے باضابطہ اور منظّم طور پر کوئی کوشش کی۔ جو کچھ ہوا وہ معاشروں میں ردوقبول کا ایک فطری عمل تھا، چنانچہ یہاں اسلام کی جو تبلیغ و تشہیر ہوئی، اس کے اسباب کو کہیں اور تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ تھے صوفیا کے حلقے، جہاں لوگ عقیدت کے ساتھ اکٹھا ہو رہے تھے اور یہ بزرگ اپنے عقیدت مندوں کی زبان میں ان کو وحدت پرستی اور انسان دوستی کا درس دے رہے تھے۔ ان بزرگوں کو حکمرانوں سے کوئی سروکار نہیں تھا، وہ ان کے درباروں اور درباریوں سے دور اپنی بستی بسائے ہوئے تھے۔ انہی کے آستانوں پر لوگ نیازمندانہ آیا کرتے تھے۔ ہمارے علاقے میں صدیوں تک ان کے جو فیوض جاری رہے اسی سے اسلام کا فروغ ہوا نہ کہ نوتشکیل یا نومولود زبان کی معرفت جس کو اردو کا نام دیا گیا۔

جہاں تک اس عمل میں سرکاری عمل دخل کا سوال ہے اس کو صحیح تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ان مسلم حکمرانوں کے مفتوحہ علاقوں میں توسیع اور نئے علاقوں میں فتوحات کے لیے فوجی کارروائیاں ہر طرف جاری تھیں ان فوجیوں کی مذہبی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مذہبی قائدین کا ان کے ساتھ ہونا ناگزیر تھا جیسا کہ آج بھی ہوتا

ہے۔ یہ علماء اپنے ہمرکاب فوجیوں کی مذہبی رہنمائی کے ساتھ ساتھ نومسلم افراد کی تعلیم وتربیت بھی کرتے تھے، رفتہ رفتہ یہ کام خانقاہوں کے ذریعہ زیادہ اچھی طرح ہونے لگا، ان خانقاہ نشین بزرگوں کے گزارے کے لیے سرکاری عطیات اور جاگیریں دی گئیں۔ ظاہر ہے انھیں اپنے حلقہ بگوش لوگوں سے ان کی زبانوں میں ہی تعلیم وتدریس کا کام کرنا ہوتا تھا، چنانچہ مرکز میں جہاں فارسی سرکاری زبان تھی اور ساری کارروائی اسی زبان میں ہورہی تھی وہاں ایک نئی زبان بھی وجود میں آرہی تھی لیکن اس مرکز سے فاصلے بڑھتے گئے اس سرکاری زبان کے اثرات کم ہوتے گئے، یہی وجہ ہے کہ بنگال تک پہنچتے پہنچتے اردو کا اثر تو کم ہوتا گیا لیکن اسلام کے حلقہ بگوش ہونے والوں کی تعداد بڑھتی گئی وجہ وہی تھی کہ انھیں حقیقت سے نئی آگاہی اپنی زبان میں مل رہی تھی یہ کارواں اور اس کا عمل مشرق کی طرف جادہ پیما رہا۔

دوسری طرف ایک اور نیا منظر وجود میں آرہا تھا جس کی تشکیل عرب تاجروں کے ذریعہ ہورہی تھی۔ وہ بحری راستوں سے ہندوستان کے جنوبی ساحلوں پر پہنچ کر مقامی لوگوں سے لین دین کررہے تھے اور میل جول بڑھا رہے تھے۔ ظاہر ہے یہ سارا معاشرتی عمل نو واردوں اور مقامی لوگوں کی زبان میں ہورہا تھا وہاں اردو زبان کا کوئی عمل دخل نہیں تھا، وہ تو شمال میں ہزاروں میل کے فاصلے پر تھا، لیکن شمال میں مشرق کی طرف پھیلنے والا ایک عمل جنوب میں بھی جاری تھا یعنی نو وارد تاجروں کا مذہب اسلام تھا اور وہ مقامی لوگوں کو ان کی سمجھ میں آنے والی زبان میں وحدت پرستی کا پیغام دے رہے تھے۔ تجارت پیشہ لوگ خوش اخلاق اور نرم خو ہوتے ہیں، انھیں اپنی بات رکھنے اور دوسروں کو قائل کرنے اور متاثر کرنے کا سلیقہ بھی خوب ہوتا ہے ظاہر ہے مقامی لوگوں کو ان کی باتیں اور ان کا رویہ پسند آیا اور وہ حق پرستی کی طرف مائل ہوتے گئے، تلقین کے مطابق عمل کی مثالیں ان کے سامنے تھیں۔ ایک عرصہ تک معاشرتی عمل کے بعد ظاہر ہے اگلا مرحلہ وہی تھا، یعنی مقامی لوگوں کے اختیار کردہ دین کی تعلیم اور مذہبی ضرورتوں کے مطابق رہنمائی کا کوئی نظام، وہاں بھی ان بزرگوں کی کارفرمائی رنگ لائی، جن کے گرد خلق جمع ہوکر روحانی تسکین پانے لگی اس طرح جنوبی خطے میں اہلِ اسلام کی تعداد بڑھنے لگی، لیکن ان کے معاشرتی عمل میں فارسی اور مقامی زبانوں کے امتزاج کے بجائے عربی اور مقامی زبانوں کا امتزاج نظر آتا ہے۔

چنانچہ ہمارے برصغیر میں فروغِ اسلام کا عمل نہ تو حاکموں کے جبر کا نتیجہ تھا نہ صرف اردو زبان کا اثر تھا، یہ روحانی سکون اور مسرت کی تلاش میں سرگرداں انسانیت کی ایک ضرورت تھی، جب مظاہر قدرت کی پرستش کرنے والے انسان کو اس کی زبان میں حقیقت سے آگاہ کیا گیا تو اس نے اسے بسروچشم قبول کیا۔

اس برصغیر کی سرحدوں سے باہر نکل کر دیکھیں تو لسانی عمل اور اس کی کارفرمائی کچھ اور ہی نظر آتی ہے۔ اسلام کا طلوع اور عروج سرزمین عرب میں ہوا، حکمت الٰہیہ یہی تھی کہ سب سے پہلے لوگوں کو ان کی اپنی زبان میں حقیقت سے آگاہ کیا جائے پھر وہ دوسروں کو ان کی زبانوں میں سمجھائیں، چنانچہ سب سے قریبی ہمسایہ عجم تھا، جس کی زبان فارسی تھی اور ایرانی حکمرانوں کے زیرِ اثر فارسی کا علاقہ بھی دور دور تک پھیلا ہوا تھا، وہ تمام علاقے اسلام کی روشنی سے منور ہوتے گئے، پھر علمائے فارس نے دین کے فروغ اور تعلیم وتدریس کے لیے جو خدمات انجام دیں وہ اظہر من الشمس ہیں، غرض کہ ایک طرف فارسی فروغ اسلام کا موجب اور معاون ہوئی تو دوسری طرف فارسی کے

بجائے دوسری مقامی زبانیں اپنے اپنے علاقے میں وہی کردار ادا کرتی رہیں، وہاں اردو کا کوئی ذکر نہیں۔

آج مغرب میں اسلام کے متعلق جو تجسس بڑھتا جارہا ہے اس کی ایک بڑی وجہ وہی ہے کہ اس دنیا کے لوگوں کو اپنی اپنی زبان میں اسلام سے نئی آشنائی حاصل ہورہی ہے۔ اس دنیا میں حکمرانی کسی کی ہو لیکن انسان کی روح امن وسکون کی متلاشی ہوتی ہے، اس کی روشنی جہاں نظر آتی ہے، اسی طرف اس کے قدم بڑھنے لگتے ہیں۔ اب انگریزی داں علما مغربی دنیا والوں کو ان کی زبان میں اسلام کی حقیقت سے آشنا کررہے ہیں۔ یہ کام بہت پہلے کیا جانا چاہیے تھا لیکن اس کے شعور کے فقدان کی وجہ سے نہیں ہوسکا، دوسری طرف مخالفین اسلام کا کام دو طریقوں سے جاری تھا، ایک تو ان کے خطیب اپنے نظریات کی تشہیر وتبلیغ کے ساتھ ہی اسلام کی مخالفت کو بھی ہوا دے رہے تھے، دوسری طرف مغرب کے مستشرقین تھے جو پوری نیک نیتی سے اسلام کا مطالعہ کررہے تھے، ان کی فکر اور تحقیق خالص منطقی تھی، اس میں اس روحانیت کا عنصر نہیں تھا جو بشری کمزوریوں کو نئی جہت عطا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جو ۱۹۷۰ء والے عشرے میں کلکتہ میں پیش آیا تھا۔

مشہور برطانوی فلسفی برٹرانڈ رسل نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ پر ایک مضمون ایک مورخ کے زاویہ نگاہ سے لکھا۔ اس میں انھوں نے کوئی جانبداری نہیں برتی لیکن حضور ﷺ پر نزول وحی کے وقت جو کیفیت طاری ہوتی تھی اس کی کوئی تاویل ایک مادہ پرست انسان کی سمجھ میں نہیں آئی، انھوں نے اس کیفیت کی ظاہری علامات کی بنا پر اس کو مرگی قرار دیا۔ وہ مضمون کلکتہ کے انگریزی روزنامہ اسٹیٹسمین میں شائع ہوا۔ اس کی وجہ سے کلکتہ کے مسلمانوں میں شدید اشتعال پیدا ہوا انھوں نے اس کے خلاف ایک احتجاجی جلوس نکالا، اسٹیٹسمین کے دفتر تک پہنچتے پہنچتے لوگوں میں اشتعال بڑھ گیا اور تشدد آمیز حرکتوں پر اتر آئے۔ کلکتہ کی پولیس نے جو آزادی کی صبح سے ہی مسلمانوں پر مشق ستم میں خاصی مہارت حاصل کرچکی تھی ان پر گولی چلا دی۔ چند لوگ ہلاک اور زخمی ہوگئے۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مشہور وممتاز صحافی اور مصنف خشونت سنگھ نے اپنے ہفتہ وار کالم میں لکھا کہ برٹرانڈ رسل نے وہ مضمون انگریزی روزنامہ ہندوستان اسٹینڈر کو بغرض اشاعت بھیجا تھا۔ اخبار مذکور نے اس پر رائے لینے کے لیے اسے میرے پاس بھیج دیا۔ میں نے اس مضمون کو قابلِ اعتراض قرار دیا تو اس کو مصنف کے پاس واپس کردیا گیا تب موصوف نے اس کو اسٹیٹسمین کو بھیجا اور اس اخبار نے اس مضمون کو شائع کردیا جس پر کلکتہ میں شورش برپا ہوئی۔ خوشونت سنگھ نے لکھا کہ میں ایک عظیم مورخ برٹرانڈ رسل کا بہت احترام کرتا ہوں لیکن ان کی اس فروگزاشت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے ایک الہامی کیفیت کی غلط تاویل کی۔ انھوں نے مزید لکھا کہ اگر برٹرانڈ رسل سے کوئی فروگزاشت ہوگئی تھی تو اسٹیٹسمن کے ایڈیٹر کو اتنا شعور ہونا چاہیے تھا کہ وہ مناسب اور غیر مناسب میں تمیز کرتا، چنانچہ اس مضمون کی اشاعت کے خلاف ردِعمل کا جہاں تک تعلق ہے اس کے لیے ایڈیٹر بھی ذمہ دار ہے۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اسلام کو اصل تناظر میں نہ پیش کرنے والے سارے اسکالر بالقصد ایسا نہیں کرتے بلکہ موضوع کے موافق مواد تک ان کی رسائی نہیں ہوتی اور ان تک اس مواد کو پہنچانے کی جو کوشش کی جانی چاہیے تھی اس کے لیے ضروری وسائل سے کام نہیں لیا جاتا۔ اس کیفیت کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جاسکتا ہے کہ امریکی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں اسلامیات کی تعلیم وتدریس کے جو سیکڑوں اسکالر اور اساتذہ ہیں ان

کی بہت بڑی اکثریت یہودی اور عیسائی ہے جنھوں نے ایک علم کے طور پر اسلام کا مطالعہ کیا اور اپنی سوجھ بوجھ اور سمجھ کے مطابق رائے قائم کی۔ ان کے مقابلے میں مسلمان اساتذہ کی تعداد بہت کم ہے یہی وہ نکتہ ہے جس پر عرب حکمرانوں کو بہت پہلے توجہ دینی چاہیے تھی۔ اب بہت دیر ہوچکی ہے لیکن اسلامیات کے متعلق طلب اور جستجو میں اضافہ کی کیفیت جاری ہے چنانچہ ابھی لوہا گرم ہے اسی وقت اس کو پیٹ کر حسبِ خواہ ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اسلامی اسکالروں کو جو مغرب کی دو تین مختلف زبانوں میں بھی اچھی صلاحیتوں کے حامل ہوں ان علاقوں میں بھیجنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اب تو جدید ترین نشریاتی وسائل اور انٹرنیٹ نے اس راہ میں بہت ساری آسانیاں فراہم کردی ہیں۔

ہمارے مدارس کا ایک الگ رول ہے جس کے کئی پہلو ہیں۔ اصلاً تو یہ مدارس دینی تعلیم کے لیے قائم کیے گئے تھے، لیکن ملک میں لسانی کیفیات کے پیشِ نظر ان میں ذریعہ تعلیم بالعموم اردو ہوا، اس طرح اردو اور اسلام کے درمیان ایک لازم وملزوم جیسا رشتہ قائم ہوگیا۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی بنا پر مخالفین اسلام نے ہندوستان میں اسلام کے فروغ کا سبب اردو کو قرار دیا اور آگے بڑھے تو اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دے دیا اس منطق کے پیشِ نظر تو اگلا قدم یہی تھا کہ اسلام سے نمٹنے کے لیے اردو زبان کا پتہ کاٹ دیا جائے۔ وہ یہ بھول گئے کہ جہاں کہیں اہلِ اسلام کی اکثریت ہے وہاں کی زبان اردو نہیں ہے۔ خود ہمارے ملک میں بنگال اور پڑوس میں یہی کیفیت ہے۔ بہرحال اب ایک حوصلہ افزا صورت پیدا ہوگئی ہے اور فروغ پذیر ہے وہ یہ کہ مقدس کتابوں اور اسلامی موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو تصنیفات کے ہندی اور دیگر علاقائی زبانوں میں بکثرت ترجمے ہورہے ہیں شاید نتیجے کے طور پر آگے چل کر اردو زبان اور مدارس پر مخالفین اسلام کا دباؤ کم ہوجائے۔ کہیں کہیں مدارس میں غیر مسلم طلبہ کے داخلے کی خبریں بھی آرہی ہیں یہ ایک خوش آئند بات ہے، ان طلبہ کو اسلامی درسگاہوں کے اندر بیٹھ کر اصل حقیقت سے آگاہی حاصل ہوگی، لیکن ان نابیناؤں کا کوئی علاج نہیں جنھیں اردو کی بقا اور فروغ میں غیر مسلموں کے لافانی کارناموں کا نہ تو علم ہے نہ وہ جاننا چاہتے ہیں۔ انھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ہندو دھرم کی کتنی کتابوں کا سنسکرت سے اردو اور فارسی میں ترجمہ ہوا اور ان تراجم کے ذریعہ سنسکرت زبان کے شاہکار ایران اور اطراف میں متعارف ہوئے۔ عربوں نے ہندوستانی علوم سے بہت کچھ مستعار لیا اور اس کی مزید تشہیر کی، انھیں یہ سب کون بتائے۔

گر نہ بیندر بروز شب پرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

امریکہ میں منتخب عہدے

اگرچہ امریکہ میں واحد وفاقی حکومت ہے لیکن اس میں حسبِ ذیل شامل ہیں

۵۰ ریاستی حکومتیں

۳ لاکھ سے زیادہ عہدے مقامی حکومتوں کے (کاؤنٹی، سٹی اور ٹاؤن کی)

اور تقریباً ۲ لاکھ مخصوص مقاصد کے اضلاع جیسے کہ اسکولی اضلاح، پانی کے اضلاع، نتیجے کے طور پر امریکی ووٹروں کو صرف صدر اور کانگریس (پارلیمنٹ) کے لیے نہیں ووٹ دینا ہوتا ہے بلکہ ریاستی اور مقامی حکومت کے ہزاروں عہدیداروں کے لیے بھی ووٹ دینا ہوتا ہے جن میں ریاستی قانون ساز ممبر، ریاستی گورنر اور لیفٹیننٹ گورنر، ریاستی آڈیٹر، کاؤنٹی کمشنر، ٹاؤن اور سٹی میئر، ایلڈرمین، جج، کانسٹبل، مجسٹریٹ، شریف، جسٹس آف پیس اور اسکول بورڈ، کالج بورڈ، یوٹیلٹی بورڈ کے ممبران اور عوامی ٹرسٹ کے عہدیدار شامل ہیں۔

کچھ غیر معمولی قسم کے منتخب عہدے بھی ہیں جیسے کاؤنٹی کورونر، آبپاشی اضلاع اور ٹاؤن سمڑی کمیشنوں کے ممبر اور درختوں کے وارڈن یعنی وہ افسران جو شہری املاک پر مخدوش درختوں کو ہٹانے کی نگرانی کرتے ہیں۔